ڈاکٹر محمد فاروق بخاری

کشمیر میں اسلام کی اشاعت

سید جمال الدین محدث

سید موصوف بلند پایہ عالمِ دین بالخصوص علمِ حدیث کے متبحر عالم تھے، سلطان قطب الدین کی درخواست پر میر سید علی ہمدانی نے انھیں کشمیر بھیجا، انھوں نے یہاں اصلاح و تبلیغ کے ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری کیا، یہاں کے اکابر علما ان سے مستفید ہوئے تھے، بادشاہ بھی ملاقات کی غرض سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا، اور ان کو عروۃ الوثقیٰ کا لقب دیا تھا، بعد میں ان کا محلہ بھی جو فتح کدل (سری نگر) میں جہلم کے کنارے واقع ہے، اسی نام سے مشہور ہوا، اور بالآخر یہ نام بگڑ کر آرو تھُد بن گیا، وہ یہیں آسودہ بھی ہیں، ان کے مقبرے میں کئی اور بزرگ دفن ہیں[1] رشتے کے لحاظ سے آپ میر سید علی ہمدانی کے خال تھے[2]۔

سید کبیر بیہقی

شیخ ہمدانی کے رفقا اور مریدوں میں سے تھے، رات دن ان ہی کی خدمت میں رہتے تھے، بعد میں شیخ ہمدانی ہی کے حکم سے محلہ علاء الدین پورہ (سری نگر) میں اقامت اختیار کی، اس سے متصل راجا پرورسین کے عہد کا بنایا ہوا ایک بڑا بت خانہ تھا، خود سلطان قطب الدین شیخ ہمدانی کی صحبت سے مستفید ہونے سے قبل اس بت خانے میں آیا کرتا تھا۔ یہاں ایک راہب بھی رہتا تھا، جس کا نام شاہ پور تھا، وہ شیخ ہمدانی کی کوششوں سے مسلمان ہوا، اور انھوں نے اس کا نام محمد رکھا، اس نومسلم راہب کی تربیت اور سرپرستی بعد میں ایک دوسرے بزرگ حاجی محمد بلخی کے سپرد کی، غرض شیخ ہمدانی نے اس بت خانے کی اہمیت ختم کرنے کے لیے اس کے آس پاس متعدد بزرگوں کو متعین کیا، جن میں ولیِ کامل سید کبیر بیہقی بھی ایک تھے[3]۔

مولانا پیر محمد بلخی

بلند پایہ عالم، کلام اللہ کے حافظ، ہفت قرآت کے ماہر اور باطنی اسرار و معارف کے شناسائے کامل

---

[1] تاریخ سید علی (قلمی) [2] فتحات کبرویہ (قلمی) نسخہ جات ریسرچ لائبریری سری نگر [3] تاریخ اعظمی، ص ۳۹

تھے، قرآنِ حکیم سے گہری محبت رکھنے کی بنا پر قاری کے لقب سے مشہور تھے۔ حضرت شیخ ہمدانی نے انھیں سلطان قطب الدین کی اصلاح کے لیے مقرر کیا۔ سلطان نے ان کے مطبخ اور لنگر وغیرہ کے اخراجات کے لیے دو پرگنوں کی آمدنی مقرر کر رکھی تھی، مولانا موصوف یہاں کے ان ائمہ مساجد اور مؤذنین کی نگرانی بھی کرتے تھے، جن کے لیے حکومت کی طرف سے وظائف مقرر تھے، شیخ ہمدانی کی مراجعت کے بعد کافی وقت تک زندہ رہے، اور تبلیغی و اصلاحی خدمات انجام دیے۔ ۸ رجب ۷۹۲ھ کو انتقال کیا، انتقال کے وقت یہ دو اشعار زبان پر تھے:

زیں جہاں رفتیم و دل برداشتیم | باجہاں باناں جہاں بگزاشتیم

ایمنی جستیم از دستِ اجل | وا دریغا ما غلط پنداشتیم

انتقال کے دوسرے دن سلطان قطب الدین بہت سے لوگوں کے ساتھ آیا، خانقاہِ معلی اسی نگر میں شیخ ہمدانی کے صفّہ کے قریب نمازِ جنازہ ادا کی گئی اور محلہ لنگر ہٹہ میں دفن کیے گئے، ان کے مقبرے میں اور بھی سادات اور اولیا سپردِ خاک کیے گئے۔ سلطان قطب الدین نے جب ۷۹۶ھ میں انتقال کیا تو اسے بھی یہیں دفنایا گیا، اب یہ مقبرہ سلطان قطب الدین ہی کے نام سے موسوم ہے۔[۵۴]

سید محمد کاظم

موصوف حضرت شیخ ہمدانی کے ذاتی کتب خانے کے لائبریرین تھے، علم و فضل کے ساتھ ولایت و روحانیت میں بھی بلند مقام کے حامل تھے۔

پان پور سے متصل للہ پورہ میں ایک بڑا بت خانہ تھا، وہ ویران تھا، شیخ ہمدانی نے سید محمد کاظم کو اسی جگہ قیام کرنے کا حکم دیا، انھوں نے یہاں آخری دم تک دینِ حق کا پرچار کیا اور چھوٹے بڑے کی اصلاح کی عوام میں سید قاضی کے نام سے مشہور تھے۔[۵۵] ان بزرگوں کے علاوہ شیخ ہمدانی کے رفقا میں جن مبلغین نے کشمیر میں ناموری حاصل کی ان میں سید محمد باقر، سید محمد بزرگ، سید رکن الدین، سید فخر الدین، سید محمد قریش، سید عبداللہ، میر سید کمال، میر سید جلال عطائی، میر سید فیروز، میر سید حیدر، سید عزیز اللہ، سید محمد مراد، شیخ سید محمد بیہقی، سید محمد عین پوش، سید نعمت اللہ وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔[۵۶]

۵۴؎ فتحاتِ کبرویہ (قلمی)، از شیخ عبدالوہاب نوری   ۵۵؎ ایضاً

۵۶؎ ان کے حالات کے لیے دیکھیے، فتوحاتِ کبرویہ، تاریخ سید علی اور تاریخ حسن، ج ۳۔ یہ تینوں کتابیں ابھی غیر مطبوعہ

تیسری سیاحت

شیخ ہمدانی کی تیسری سیاحتِ کشمیر سے متعلق معلومات تاریخوں میں نہیں ہیں، اسی وجہ سے بعض معاصر اہلِ علم ان کی صرف دو سیاحتوں کے قائل ہیں، مورخ غلام حسن نے ملا احمد علامہ[شہ] کی تاریخ سے نقل کیا ہے کہ شیخ ہمدانی نے دوسری سیاحتِ کشمیر کے بعد بعض ممالک کی جانب سفر کا ارادہ کیا، بالخصوص اصحابِ کہف کے غار کی زیارت کی، جو شہر افسوس (افیسس Ephesus مراد ہے) میں واقع ہے، واپسی پر کشمیر ایک اور مرتبہ تشریف لائے. یہ ان کی تیسری اور آخری سیاحت تھی، یہاں مختصر مدت تک قیام کیا، جو لگ بھگ چھ ماہ پر مشتمل ہے، اس کے بعد پھر فارس کا ارادہ کیا لیکن ابھی کنیر سواد ہی پہنچ پاتے تھے کہ انتقال فرمایا۔

تبلیغی کارنامے

کشمیر میں جو روحانی، فکری اور ثقافتی انقلاب آیا، وہ سراسر میر سید علی ہمدانی کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے، شیخ ہمدانی نے ایک محتاط اور خیر خواہ مبلغ کی طرح نہایت احتیاط کے ساتھ اپنا کام شروع کیا، اور اسی احتیاط مگر انہماک کے ساتھ اسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ انھوں نے سب سے پہلے کشمیر کے تعلقات ان ممالک سے یک قلم منقطع کیے، جو بدھ مت اور ہندو مذہب کے علم بردار بلکہ اس کے مرکز و محور تھے، اس کے برعکس انھوں نے کشمیر کا رابطہ ان ممالک سے جوڑا جو اسلام، اسلامی تہذیب، اسلامی فکر اور اسلامی فن و ادب کا سرچشمہ تھے، انھوں نے بے شمار کتابیں لکھیں، ان کے رفقا، وسط ایشیا سے بے شمار کتابیں ساتھ لائے، حکمرانِ کشمیر اُن کے قدموں پر گرنا اپنے لیے باعثِ سعادت سمجھتا تھا، مگر وہ بدستور ہاتھ سے ٹوپیاں بنا کر کسبِ حلال سے اپنی زندگی گزارتے تھے، یہی درس انھوں نے اپنے رفقا و متعلقین کو بھی دیا تھا، وہ مسلکاً شافعی تھے۔ انھوں نے دین کی بڑی خدمت انجام دی، طبقۂ امرا و سلاطین کی اصلاح اور راہنمائی کے لیے ایک خاص کتاب لکھی جو ذخیرۃ الملوک[شے] کے نام سے مشہور ہے، اس میں سلاطینِ اسلام کو عموماً اور سلطانِ کشمیر کو خصوصاً اپنی عظیم ذمہ داریوں اور

شہ سلطان زین العابدین کا درباری عالم، اس کی تاریخ کا نام واقعاتِ کشمیر ہے، جو اصل میں ایک سنسکرت تاریخ "رتناکر پران" کا فارسی ترجمہ ہے، کتاب نایاب ہے، مورخ حسن کو اس کا ایک نسخہ دست یاب ہوا تھا۔

شے ذخیرۃ الملوک کا تعارف اور اس کی اہمیت کے لیے ملاحظہ کیجیے، راقم کا مضمون "علمِ حدیث کی اشاعت میں علمائے کشمیر کا حصہ" قسط اول ماہنامہ "دارالعلوم" دیوبند اگست ۱۹۷۷ء

منصبی فرائض کا عجیب و غریب انداز و اسلوب سے احساس دلایا۔ اس کتاب میں ان کی ایک خاص اصطلاح کتاب کے تمام مباحث کا محور و مرکز ہے، اس کی رو سے دنیاوی بادشاہی مکمل طور پر "حقیقی بادشاہی" کے مطیع و منقاد ہونی چاہیے، علامہ ابن خلدون کا مقدمہ اگرچہ اس موضوع پر ہر لحاظ سے محیط اور سائنٹیفک ہے، مگر اس کے باوجود مقدمہ ابن خلدون اس اہم نکتے پہ خاص روشنی نہیں ڈالتا ہے، میر سید علی ہمدانی نے ذخیرۃ الملوک میں اس کمی کو پورا کیا، شیخ ہمدانی اور علامہ ابن خلدون دو ہم عصر تھے، کیا شیخ ہمدانی کی نظروں سے مقدمہ ابن خلدون گزرا تو نہ تھا؟

سلاطین کی اصلاح و تربیت کے لیے شیخ ہمدانی نے مکتوبات بھی لکھے، سلاطینِ کشمیر کے نام مکتوبات کا ایک مختصر مجموعہ بھی ان سے منسوب ہے، جو شائع بھی ہوا ہے۔ یہ خطوط شیخ ہمدانی کی ندرتِ فکر و بصر کا عمدہ نمونہ اور جذبۂ اعلاء کلمۂ حق کا واضح ثبوت ہے، ہم ایک مکتوب کا خلاصہ پیش کرتے ہیں، یہ مکتوب انھوں نے کشمیر کے ایک بادشاہ کو لکھا ہے، مکتوب رسمی آداب و القاب سے پاک وصاف ہے، درج ذیل آیتِ شریفہ سے شروع ہوتا ہے:

الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور

اہلِ علم حضرات اور حاملینِ نفوس قدسیہ پر یہ مخفی نہیں ہے کہ انسانی طبائع اپنی خصوصیات کے لحاظ سے جدا جدا ہیں، اس تباین سے اممِ عالم کے اقوال و افعال میں بھی اختلافات ظاہر ہوئے، چونکہ بُرے اخلاق اور گندے اوصاف (از قبیلِ ظلم و جبر، فتن و فساد) انسان کی فطرت میں داخل ہیں، اس لیے مخلوقات کے اغراض اور مقاصد بھی مختلف واقع ہوئے، پس اللہ کی حکمتِ بالغہ کا یہ تقاضا ہوا کہ حاکم بلند اوصاف سے متصف ہو جو اولادِ آدم کے حرکات و سکنات کو راہِ صواب اور منزلِ رشد و ہدایت پر ڈال دے، نیز وہ شریعت کے نفاذ میں حتی الوسع کوشش کرے، مظلوموں اور ضعیفوں کو پنجۂ استبداد سے نجات دلائے، ظالموں کو اپنی گرفت میں لائے تاکہ عالمِ صوری کا انتظام برقرار رہے، اور عوام و خواص کے مابین وحشیانہ حرکات صادر نہ ہونے پائیں۔ انبیا کی بعثت اور علما کی معرفت کا مقصد بھی یہی ہے کہ حق باطل سے اور اصلاح فساد سے بالکل جدا اور ممیز رہے، اگر حاکم اس عمل پر گامزن رہے تو محشر کے دن حاکم و محکوم دونوں جبارِ حقیقی کی سطوت و صولت سے محفوظ اور مصئون رہیں گے، اگر ایسا نہ کیا تو اَلْیَوْمَ تُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ کے تحت ان سے بازپرس ہوگی، اس لیے بادشاہ اور حاکم کو چاہیے کہ وہ اپنا منصب پہچانے، بندگانِ خدا کے معاملات کی دیکھ بھال کرے، سلاطینِ اسلام

اور خلفائے راشدین کی سیرتوں پر غور کرے، اپنے آپ کو شاہی آداب سے عاری نہ سمجھے، دنیا کی نعمتوں کو اپنی کج روی سے آخرت کی سیرت و ناامیدی کا بیج نہ بنائے، فانی دنیا پر اعتماد نہ کرے، قیامت کی ذلت و گرفتاری سے غافل نہ رہے، اور فرصت کے دنوں کو غنیمت سمجھے، والسلام علی من تبع الھدیٰ۔[۹]

کشمیر میں میر سید علی ہمدانی کے زمانے میں لوگ توہمات و طلسمات کے اسیر ہو گئے تھے، ان کے نزدیک بھی قدیم عرب جہلا کی طرح انسان اور انسانیت کی فضیلت کا معیار کرتب سازی اور شعبدہ بازی بن گیا تھا، اس میں شک نہیں ہے کہ اس ذہن کو پیدا کرنے کا ذمہ دار کافی حد تک اس وقت کے ہندو مذہبی راہنما تھے، للہ عارفہ اس جماعت سے سخت نالاں تھی، اور ان پر کھل کر اظہارِ افسوس کرتی تھی، یہ کرتب ساز ابتدا میں شیخ ہمدانی کی راہ میں بھی حائل ہوئے، مگر جلد ہی ناکام بھی ہوئے، کالی شوری مندر کے شعبدہ باز مجاور نے شیخ ہمدانی کو چیلنج بھی کیا، لیکن جب اس کرتب کا بھی وہی حال ہوا جو کسی زمانے میں عصائے موسیٰ کے سامنے ساحرینِ مصر کی بازی گری کا ہوا تھا تو یہ مجاور فوراً مسلمان ہوا اور اس اثر سے دوسرے ہزاروں کشمیری باشندے بھی مسلمان ہوئے، تذکروں میں اس طرح کے کئی اور واقعات منقول ہیں۔

میر سید محمد ہمدانی

شیخ ہمدانی نے چالیس کی عمر میں نکاح کیا تھا،[۱۰] اس طرح ان کی تاریخِ ولادت کو مدِنظر رکھتے ہوئے یہ نکاح کم و بیش ۷۵۴ھ میں ہوا تھا، بہت دنوں کے بعد ان کے ہاں ایک فرزند پیدا ہوا جو تاریخ میں میر سید محمد ہمدانی بن میر سید علی ہمدانی کے نام سے مشہور ہیں، میر محمد ہمدانی کی تاریخِ ولادت کسی تذکرے میں مذکور نہیں ہے، لبتہ کئی تذکرہ نگاروں کے مطابق شیخ ہمدانی کے انتقال کے وقت میر محمد ہمدانی کی عمر بارہ سال کی تھی، اس طرح شیخ ہمدانی کی تاریخِ وفات کو ملحوظ رکھ کر میر سید محمد ہمدانی کی تاریخِ ولادت ۷۷۴ھ تا ۷۷۶ھ متعین ہوتی ہے، میر محمد ہمدانی اپنے والد بزرگوار کے انتقال کے دس سال بعد ۷۹۶ھ یا ۷۹۸ھ میں کشمیر تشریف لائے، جبکہ س وقت ان کی عمر ۲۲ سال کی تھی، کشمیر تشریف لانے کی وجہ والد بزرگوار کی وصیت تھی، جو انھوں نے پنے رفقا بالخصوص شیخ نورالدین جعفر بدخشی کے ذریعے پہنچائی تھی۔ جب میر سید محمد ہمدانی کشمیر تشریف لائے

۹۔ مکتوبات میر سید علی ہمدانی (قلمی)، نسخہ ریسرچ لائبریری سری نگر

۱۰۔ اصول تصوف: ڈاکٹر احسان اللہ، ص ۲۹۰، مطبوعہ تہران

تو یہاں سیکڑوں صلحا اور غیر ملکی سادات موجود تھے، اس وقت وسط ایشیا کے مزید تین سو اکابر آپ کے
ساتھ تھے، یہ زمانہ سلطان قطب الدین کے بیٹے سلطان سکندر (۱۳۸۹ء تا ۱۴۱۳ء) کا تھا، سلطان سکندر
بھی اپنے باپ کی طرح سخت مذہبی اور نو وارد مبلغین کا غالی معتقد تھا، اس نے کشمیر میں اسلام کی اشاعت
اور اسلامی شریعت کے نفاذ میں غیر معمولی دلچسپی لی، بلکہ اس مذہبی حمیت میں اس نے شدت بھی اختیار
کی جس کی بنا پر وہ آج بھی ہندو مذہب کے پیروؤں میں معتوب و مغضوب ہے[۱۱] مگر حق بات یہ ہے کہ اس
کی مذہبی پالیسی کو بیان کرنے میں ہندو اور مسلمان دونوں مذاہب کے مورخوں نے شعوری یا غیر شعوری طور
پر بڑی مبالغہ آمیزی کی ہے، اور اس کی شدت کا ذمہ دار اس کے مربی اور مرشد میر محمد ہمدانی کو ٹھہرایا، جو
ایک بے دلیل دعویٰ ہے۔ میر سید محمد جب کشمیر تشریف لائے تو سلطان سکندر نے ان کا پرتپاک خیر مقدم
کیا، اگرچہ میر سید محمد ہمدانی کی عمر اس وقت صرف ۲۲ سال کی تھی، مگر کچھ اپنے نمایاں علم و فضل اور کچھ اپنے
نامور والد بزرگوار کی شہرت و عقیدت سے انھیں عزت و احترام سے دیکھا گیا۔ معاصر مورخ جون راج
تک معترف ہے کہ میر محمد اپنے ساتھیوں میں ایسے ہیں جیسے تاروں میں چاند[۱۲]۔ میر محمد ہمدانی تنہا تشریف نہیں
لائے تھے، بلکہ شیوخ و اکابر کا ایک بڑا کارواں بھی ان کے ساتھ تھا۔ انھوں نے اپنے والد کے نقش قدم
پر چل کر ان بزرگوں کو کشمیر کے مختلف اطراف و اکناف میں پھیلایا، وہاں کے لوگوں کی اصلاح و تربیت اور
اسلام کی ترویج و اشاعت پر مامور کیا۔

سلطان سکندر کو حضرت میر محمد ہمدانی کے ساتھ گہری عقیدت تھی، وہ ان کے علم اور روحانی کمالات سے استفادہ
کرتا تھا۔ میر محمد کو بھی سلطان کے اخلاص اور مذہبی حمیت کا احساس تھا، انھوں نے سلطان کے لیے تصوف
میں ایک رسالہ لکھا، جسے بعد میں سلطان ہی کے نام پر الرسالۃ الاسکندریہ کے نام سے موسوم کیا، اسی طرح
اس زمانے میں سلطان سکندر کے وزیر اعظم سہ بٹ کی وزارت عروج پر تھی، وہ مذہب ہندو کو چھوڑ کر
سچے دل سے مسلمان ہوا تھا، حضرت میر محمد نے اس کا نام ملک سیف الدین رکھا۔ نئے مذہب نے اس کے
اندر سخت جوش اور ولولہ پیدا کیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اسلام کا پرجوش داعی بنا، بلکہ وہ اس جذبۂ اشاعت

---

۱۱ ملاحظہ ہو راقم کا مضمون "کشمیر میں اسلامی عروج و زوال" برہان، دہلی نومبر ۱۹۷۹ء
۱۲ Tonaraja's Rajta Vongamis p94

اسلام سے اس قدر مغلوب ہوا کہ وہ ایک عادل وزیرِ اعظم کے بجائے میدانِ جنگ کا باجبروت مجاہد نظر آیا۔

سید میر محمد کے عقد میں کشمیر کی دو نیک سیرت عورتیں تھیں، جب وہ کشمیر تشریف لائے تو ابھی تک ان کا نکاح نہیں ہوا تھا، چنانچہ ان کا پہلا نکاح حضرت سید حسن بہادر کی صاحب زادی تاج خاتون سے ہوا، مگر وہ شادی کے پانچ سال بعد انتقال کر گئیں، اس کے بعد نومسلم وزیرِ اعظم ملک سیف الدین نے اپنی بیٹی کا نکاح ان کے ساتھ کیا، مگر یہ رفیقۂ زندگی بھی بہت جلد داغِ مفارقت دے گئیں، دونوں بیویاں کشمیر ہی میں سپردِ خاک ہیں۔[۱۳]

میر سید محمد نے کشمیر میں بارہ سال تک قیام کیا، یہ اُن کی اٹھتی ہوئی جوانی کا عالم تھا، انھوں نے پورے جوش اور ولولے کے ساتھ کشمیر میں اسلام پھیلایا۔ کشمیری الاصل بزرگوں کے ساتھ بھی ان کے گہرے تعلقات تھے، ان میں حضرت شیخ نور الدین ریشی کشمیری کا نام قابلِ ذکر ہے۔ حضرت شیخ ریشی ان کی خدمت میں وقتاً فوقتاً حاضر ہو کر علمی راہنمائی اور روحانی فیوض و برکات حاصل کرتے تھے، حضرت شیخ ابتدائی زندگی کے ابتدائی دور میں خلوت گزیں اور گوشہ گیر تھے، مگر پھر ان پر اصلاح و تجدید اور تبلیغ کا رنگ غالب آیا۔ یہ بے شک حضرت میر محمد ہمدانی کی صحبت کا نتیجہ تھا۔

میر سید محمد اپنے نامور والد کی طرح صاحب تصنیف بھی تھے، علمِ منطق میں ان کا رسالہ "شرح شمسیہ" مشہور ہے، تصوف میں ان کے دو رسالے کتاب الاخلاق اور الرسالۃ الاسکندریہ آج بھی موجود ہیں،[۱۴] ان کا ایک اور رسالہ مولانا عبدالحی حسنی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۹۲۷ء) کو دست یاب ہوا تھا۔[۱۵] یہ رسالہ شاید آج بھی ندوۃ العلما لکھنؤ کے شعبۂ مخطوطات میں محفوظ ہے۔ مولانا کے بیان کے مطابق اس کا نام جامع الفنون ہے، اور اس کا تعلق منطق اور حکمت کے موضوع سے ہے۔ شیخ عبدالوہاب نوری لکھتے ہیں کہ میر سید محمد نے مکتوبات کا ایک مجموعہ بھی چھوڑا ہے، بلکہ بقول ان کے تصوف میں چھوٹے بڑے پینتالیس رسالے لکھے ہیں۔[۱۶]

کشمیر میں بارہ سال قیام کرنے کے بعد میر سید محمد نے حج بیت اللہ کا ارادہ کیا، مگر بعض مورخین کے

---

۱۳ تاریخ اعظمی، ص ۲۳

۱۴ دونوں رسالے مخطوطہ کی شکل میں ریاستی ریسرچ لائبریری سری نگر میں موجود ہیں۔

۱۵ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۱۴۲، ۱۴۳

۱۶ فتوحاتِ کبرویہ (قلمی)، شیخ عبدالوہاب نوری

نزدیک کشمیر چھوڑنے کی اصل وجہ ایک دوسرے ہم نام بزرگ حضرت سید محمد حصاری کے ساتھ تکرار تھا[۱]۔ ممکن ہے یہ صحیح ہو، معاصرانہ چشمک بزرگوں میں بھی ہوا کرتی ہے۔ کشمیر چھوڑنے کے بعد حضرت میر محمد ہمدانی پھر کبھی کشمیر تشریف نہ لائے، وہ یہاں سے ۸۰۸ھ یا ۸۱۰ھ میں تشریف لے گئے، اور اس کے بعد پینتالیس سال تک بقیدِ حیات رہے۔ ۸۵۴ھ میں انتقال کیا، اور اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں بمقام ختلان دفن ہوئے۔ ان کی حیات کے آخری ۴۵ سال کے کارنامے اور دینی خدمات مکمل طور پر پردۂ خفا میں ہیں۔

میر محمد ہمدانی کے رفقا

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا، حضرت میر کے ساتھ سیکڑوں بزرگ کشمیر تشریف لائے تھے، جن کے مشاغلِ علمی سے کشمیر سلطان سکندر کے زمانے میں خراسان اور عراق کا حریف بن گیا تھا۔ سلطان نے دل کھول کر ان بزرگوں کی پذیرائی کی اور انھیں مختلف علمی اور تبلیغی مراتب و مناسب عطا کیے۔ سید محمد حسین سامانی نے علم فرائض و میراث کے مشہور رسالہ "سراجی" کی شرح لکھی، جس کا نام تنویر السراج رکھا۔ سید محمد خاوری حدیث و قرآن کے بلند پایہ عالم تھے، انھیں قضا کا منصب عطا ہوا۔ خود سلطان سکندر سید حسین خوارزمی سے معنوی فیوض حاصل کرتا تھا، اور اپنے دو بیٹوں علی شاہ اور زین العابدین کو ان ہی کے دامنِ ارادت سے پیوستہ کیا۔ مولانا قاضی حسین شیرازی دینی علوم میں ماہر تھے، اور انھیں بھی محکمہ قضا میں رکھا گیا۔ مولانا شیرازی قاضی ولی کے نام سے مشہور تھے۔ غرض یہ سب بزرگ اس زمانے میں کشمیر کی زینت بنے جب کشمیر کے حالات مکمل طور پر ان کے موافق تھے، انھیں دینی خدمات انجام دینے میں کسی بھی مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ سید علی، مولوی غلام حسین، محمد اعظم اور شیخ عبدالوہاب نے اپنی تاریخوں میں ان میں سے مشہور بزرگوں کے حالات بیان کیے ہیں۔

میر سید محمد ہمدانی اور کشمیر

کشمیر کے عام باشندوں پر عموماً اور مسلمانوں پر خصوصاً میر سید علی ہمدانی کے جو احسانات اور برکات ہیں اس کا اعتراف یہاں کے لوگوں نے ہر وقت کیا ہے، یہاں کے صلحا اور اکابر علما نے نظم و نثر میں انھیں خراجِ عقیدت ادا کیا ہے، یہاں کے لوگ آج بھی اوراد و اذکار اور وظائف میں شیخ ہمدانی کی منقبتیں پڑھ کر سرد

---

[۱] اسرار الابرار (قلمی)، شیخ بابا داؤد مشکواتی۔

حاصل کرتے ہیں اور شیخ ہمدانی کو کشمیر میں اسلام کا بانی، امیرِ کبیر، علیِ ثانی، شاہ ہمدانی، جامع الکمالات وغیرہ القاب سے یاد کرتے ہیں اور کشمیر کے ساتھ ان کی گہری وابستگی کی بنا پر "ہمدانی کشمیری" سے یاد کرتے ہیں۔ شیخ ہمدانی نے کشمیر میں جس جس مقام پر قیام کیا ہے، نماز پڑھی ہے، یا اذکار و وظائف پڑھے ہیں، کشمیر کے مسلمان اسے مقدس اور مطہر سمجھتے ہیں، بالخصوص سری نگر کی خانقاہِ معلیٰ کشمیر کا متبرک مقام سمجھا جاتا ہے۔ ایک شاعر نے اس خانقاہ کی تعریف میں شعر بھی کہے ہیں۔

علمائے کشمیر نے حضرت شیخ ہمدانی کی کتابوں کو محفوظ رکھا، ان کی نقلیں پھیلائیں، بعض رسالوں کی شرحیں لکھیں، صاحبِ ذوق بزرگوں نے ان کی شان میں عمدہ سے عمدہ قصیدے لکھے، ہم یہاں کشمیر کے تین بزرگوں کے منتخب اشعار درج کرتے ہیں، یہ اشعار انھوں نے شیخ ہمدانی کی مدح و توصیف میں کہے ہیں۔ یہ تینوں بزرگ کشمیر کے صفِ اوّل کے علما و مشائخ میں گنے جاتے ہیں، میری مراد شیخ یعقوب صرفی، شیخ مرزا اکمل الدین بدخشی اور شیخ حبیب اللہ نوشہری رحمہم اللہ سے ہے۔

شیخ یعقوب صرفی

شیخ صرفی کے کمالات سے ہمارے قومی تذکرے بھرے پڑے ہیں۔ ملا عبدالقادر بدایونی شیخ صرفی کے معاصر تھے، انھوں نے بڑی عزت اور فخر کے ساتھ منتخب التواریخ میں ان کے فضل و کمالات کا اعتراف کیا ہے۔ فیضی جیسے عالم نے اپنی تفسیر سواطع الالہام پر ان سے تقریظ لکھوائی۔ ڈاکٹر ظہور الدین احمد نے اپنی کتاب "پاکستان میں فارسی ادب" میں بڑی تفصیل کے ساتھ ان کے حالات اور علمی کمالات بیان کیے ہیں۔ حضرت صرفی کو شیخ ہمدانی کے ساتھ گہری عقیدت تھی، انھوں نے ان کی شان میں دل آویز منقبتیں کہی ہیں اور اپنے آپ کو "گدائے کوچۂ امیری" سمجھنے پر فخر کیا ہے۔ انھوں نے ختلان جا کر حضرت امیر کی آخری خواب گاہ کی زیارت بھی کی ہے، بلکہ وہاں چلہ بھی کیا ہے۔ فخر کے ساتھ کہتے ہیں:

"مشرف شدہ ایں فقیرِ حقیر بطوافِ مزارِ امیرِ کبیر۔"

وہ انھیں علیِ ثانی اور سلطانِ اعظم کا نام دیتے ہیں، اور یقین رکھتے ہیں کہ وہ حضرت علی مرتضیٰ کے علوم و اسرار کے امین تھے، اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ وہ نسب کے لحاظ سے آپ ہی کے فرزند ہیں:

علیِ ثانی آں سلطانِ اعظم — علی نام از اولادِ علی ہم
چو اسرارِ علی از وے عیاں شد — علی ثانی ازاں نامش ازاں شد[۱]

[۱] ملاحظہ ہو دیوانِ صرفی: مرتبہ میر حبیب اللہ کاملی، مطبوعہ سری نگر

کہتے ہیں کہ اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے روحانی مربی اور مرشد آپ ہی ہیں، آپ ہی کے عشق و محبت میں ہماری زندگی ہے اور اسی میں ہمارا قیام و دوام ہے:

بحمد اللہ کہ ما را پیشوا اوست　　　براہِ عشق ما را مقتدا اوست
بحمد اللہ بعشقش زندہ ام من　　　بعشقش تا ابد پایندہ ام من [۱۹]

فرماتے ہیں کہ حضرت سید علی نہ صرف ہمدانی ہیں، بلکہ علم کے ہمہ دان بھی ہیں، ان کے علم و فضل اور روحانی کمالات سے ہمیں پوشیدہ حقائق کی معرفت نصیب ہوئی، اس لحاظ سے وہ عارفوں کے امام برحق ہیں:

ایں ہمدانی ہمہ دانی دہد　　　معرفتِ سرِ نہانی دہد
وہو امام العرفا بالیقین　　　زبدۂ اولادِ شہِ مرسلین [۲۰]

شیخ صرفی نے اپنی ایک دوسری نظم میں بھی ان ہی جذبات و خیالات کو دہرایا ہے، وہ ان کے نقش قدم پر چلنے کی تلقین کرتے ہیں، اور ان کی رہنمائی کو خدا تک پہنچنے کا سبب سے نزدیک راستہ سمجھتے ہیں، انھیں فخر ہے کہ وہ ان کے سلسلے سے منسلک ہیں اور اتصال کے دوام کے لیے دعاگو ہیں۔

گرچہ دو صد راہ سوی مطلب ست　　　راہِ امام ہمداں اقرب است
وہ چہ نیکو راہی و خوش رہبری　　　رہبرِ ما در رہِ دیں حیدری
ہمچو علی دانشِ ربانیش　　　زاں لقب آمد علی ثانیش
چوں بعلی نسبتش آمد تمام　　　ہم بہ حسب ہم بہ نسب ہم بہ نام
از رہِ تعظیم نبا شد عجب　　　گر علی ثانیش آمد لقب
ظاہر از و سرِ علی ولی　　　بل ہو سر لابیہ العلی
ہست بریں نکتہ دلیلِ قبول　　　الولد سرٌ بقولِ رسول
سلسلۂ او کہ در آئینِ عشق　　　آمدہ زنجیرِ مجانینِ عشق
بستہ ایں سلسلہ ابائے من　　　چوں دلِ دیوانہ وشیدائے من

---

۱۹ ملاحظہ ہو دیوانِ صرفی: مرتبہ میر حبیب اللہ کاملی، مطبوعہ سری نگر　　۲۰ ایضاً

صرفی مسکین کہ ہوا خواہ اوست — از دل و جاں بندۂ درگاہ اوست
جان و دلش خالی ازیں غم مباد — باد فزوں دمبدم و کم مباد[۵۲۱]

مرزا اکمل الدین خاں بدخشی

مغل دور کے نامور علما اور مشایخ کشمیر میں سے تھے، ان کی ضخیم منظوم تصنیف "بحر العرفان" مشہور ہے، یہ کتاب انھوں نے مثنوی مولانا روم کے طرز پر لکھی ہے۔ حضرت فرید الدین عطار اور مولانا جلال الدین رومی کے ساتھ انھیں گہری عقیدت تھی، خود فرماتے ہیں:

از مریدانِ شیخ عطارم — استعانت از مولوی دارم

حضرت مرزا صاحب نے اس کتاب میں کئی مقامات پر حضرت میر سید علی ہمدانی کا ذکر خیر کیا ہے، اور ان کے ملفوظات و فرمودات کو بیان کیا ہے، نیز مناسب مواقع پر شیخ ہمدانی سے صادر ہونے والی کرامتوں کا بصورت اشعار ذکر کیا ہے۔

خواجہ حبیب اللہ نوشہری

شیخ نوشہری بھی مغل عہد کے عالم اور صوفی تھے، مشہور کشمیری عالم ملا حسین آفاقی سے دینی علوم کی تکمیل کے بعد شیخ یعقوب صرفی سے معنوی فیوض کی تحصیل کی، شیخ صرفی کے ساتھ جو عقیدت و محبت رکھتے تھے، اس کا اعتراف ایک جگہ اس طرح کیا ہے:

نخلِ جانم بسبار از تو رسید — باغِ من میوہ دار از تو رسید
نامِ من زندہ می کند نامت — کامِ من کام یابد از جامت[۵۲۲]

بلند پایہ صوفی تھے، آخری زندگی میں استغراقی کیفیت غالب رہتی تھی۔ ایک بار جہاں گیر بادشاہ ملاقات کی غرض سے ان کی خدمت میں حاضر ہوا، مگر یہاں شیخ کو اسی سرور و مستی میں غرق پایا۔ انھوں نے منظوم فارسی میں کئی کتابیں لکھی ہیں۔ عربی میں بھی ایک رسالہ اور متفرق نظمیں ان کی یادگار ہیں۔ ان کی ایک عربی مثنوی مشہور ہے اس میں اگرچہ ادبی لطافت کا فقدان ضرور ہے،

---

۵۲۱ پارسی سرایانِ کشمیر، تالیف ڈاکٹر تکو، انتشاراتِ انجمنِ ایران و ہند، طہران؛ ص ۹ تا ۱۱
۵۲۲ احوال و مقامات حضرتِ ایشاں (قلمی)

اور چونکہ ہندوستانی عربی شاعری میں یہ مثنوی اپنی قدامت کے لحاظ سے اہم ہے، اس لیے اُسے بڑی قدر و قیمت حاصل ہے، ہم اسی مثنوی سے چند اشعار نقل کرتے ہیں، اس میں کبروی مسلک بیان کرتے ہوئے کشمیر میں اس کے پہلے مبلغ جناب میر سید علی ہمدانی کی عظمت و بزرگی بھی بیان کی ہے، کہتے ہیں،

کیف لا کیف لا کذا و کذا — فالامیر الکبیر[23] داخلها

ذاتہ کان مثل ذات ابیہ[24] — صفۃ الابن بالصفات شبیہ

ظاهراً کان اعلم العلماء — باطناً کان اعرف العرفاء

فیضہ ظاهرٌ علی العالم — فضلہٗ شائعٌ بنی آدم

الممات الممات مذهبہٗ — الحیاۃ الحیاۃ مشربہٗ

اشربوا منہ ایها الحرقاء — اطربوا منہ ایها الفقراء[25]

(معارف اعظم گڑھ)

---

[23] مراد میر سید علی ہمدانی

[24] اب سے مراد حضرت علی مرتضیٰ اور ابن سے شیخ ہمدانی

[25] رسالۃ السلوک (قلمی)

انتخابِ حدیث

مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی

یہ کتاب ان احادیث کا مجموعہ ہے جو زندگی کی اعلیٰ قدروں سے تعلق رکھتی ہیں اور جن سے فقہ کی تشکیل جدید میں بہت مدد مل سکتی ہے۔ ہر حدیث کی الگ سرخی قائم کی گئی ہے اور اس کا سلیس ترجمہ بھی درج ہے۔ یہ ترجمہ حدیث کی چودہ کتابوں کا خلاصہ اور بیش بہا انتخاب ہے۔

صفحات ۶۱۴ — قیمت ۳۵/- روپے

ملنے کا پتا:- ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ لاہور